’’تصوف‘‘ کیا ہے؟!

مولانا گل رئیس نقشبندی

جامعہ دارالہدیٰ (مرکزی) بنوں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم حضور پاک ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا اور حضور پاک ﷺ سے سوالات شروع کیے، بالترتیب پوچھا:

۱:۔’’مَاالْاِیْمَانُ؟‘‘ ایمان کیا ہے؟ ۲:۔’’مَاالْاِسْلَامُ؟‘‘ اسلام کیا ہے؟

۳:۔’’مَاالْاِحْسَانُ؟‘‘ احسان کیا ہے؟

حضور پاک ﷺ نے سوالوں کے جوابات دیئے، تو ہر جواب کے آخر میں سائل ’’صَدَقْتَ‘‘ کہتا، جو ہمارے لیے باعثِ حیرت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مہمان چلا گیا تو حضور پاک ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تمہیں معلوم ہے یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

’’فَاِنَّہٗ جِبْرَائِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ.‘‘

ترجمہ: ’’یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔‘‘

یہ سوالات وجوابات حدیث جبرئیل علیہ السلام کے نام سے معروف ہیں۔ حضور پاک ﷺ کے غلبۂ ہیبت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سوالات کرنے کی جرأت بہت کم ہوتی تھی، تعلیمِ حقائقِ دینیہ کو جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو انسانی شکل میں بھیجا، تاکہ وہ سوال کریں اور معلمِ کائنات ﷺ جواب میں گوہر افشانی فرمائیں اور اس انداز سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن، علمی جواہر پاروں سے بھر جائے۔

محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: حدیثِ جبرائیلؑ میں دین کے تین بنیادی احکامات کی تصریح کی گئی، پہلے احکامات وہ ہیں، جن کا تعلق خالص عقیدے کے ساتھ ہے، ان کو احکامِ نظریہ کہتے ہیں۔ دوسری قسم کے احکامات وہ ہیں، جن کا تعلق ظاہری اعمال کے ساتھ ہے، ان کو احکامِ فرعیہ کہتے ہیں اور تیسری قسم

کتاب نہیں بھیجی، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کتاب بھیج دی ہو اور نبی کو نہ بھیجا گیا ہو، اس سے رجال اللہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کسی قوم پر عذاب اس وقت تک نازل نہیں ہوا، جب تک اتمامِ حجت کے لیے نبی کو نہ بھیجا گیا ہو۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔‘‘(۱۳)

ترجمہ:’’اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے، جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔‘‘

یہ اس لیے کہ ہر انسان کو اپنی تربیت کے لیے مُربی اور تزکیہ کے لیے مُزکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۃ المائدہ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

’’يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔‘‘(۱۴)

ترجمہ:’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب ڈھونڈو۔‘‘

اس کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اَلْوَسِيْلَةُ هِيَ الَّتِيْ يَتَوَصَّلُ بِهَا إِلٰى تَحْصِيْلِ الْمَقْصُوْدِ۔‘‘(۱۵)

ترجمہ:’’وسیلہ سے مراد وہ ہے جو آپ کو مقصود سے واصل کردے (ملادے)۔‘‘

صاحب جلالینؒ فرماتے ہیں کہ:

’’مَا يُقَرِّبُكُمْ إِلَيْهِ مِنْ طَاعَةٍ‘‘ یعنی جو آپ کو طاعت کے قریب کردے، لہٰذا مفسرین کرام کا فرمان ہے کہ ’’الوسیلۃ‘‘ سے مرشد مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور انسان کی اصلاح کا سبب بنتا ہے۔ایک دوسری جگہ سورۃ التوبۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

’’يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔‘‘(۱۶)

ترجمہ:’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔‘‘

اس آیت کی تشریح میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اس جگہ قرآن کریم نے علماء وصلحاء کی بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرما کر عالم وصالح کی پہچان بتلادی کہ صالح صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو، قول کا بھی سچا ہو، عمل کا بھی سچا ہو۔(۱۷)

صاف ظاہر ہے کہ آج کے دور میں صادقین کا مصداق مشائخ عظام ہی ہیں، کیونکہ تصوف وسلوک کے راہی میں ہی یہ اوصاف جمع ہوسکتے ہیں۔ایک بزرگ ایک عقلی دلیل سے مزید یہ بات سمجھاتے ہیں: ایک طالب علم کمرۂ امتحان میں بیٹھا پرچہ حل کررہا ہوتا ہے، تو وہ اپنے گمان میں ہر سوال کو ٹھیک ٹھیک حل کرتا ہے (اگر اُسے پتہ ہو کہ میں فلاں غلطی کررہا ہوں تو وہ کرے ہی کیوں؟)۔جب طالب علم کا پرچہ استاذ کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ بعض جوابات کو ٹھیک قرار دیتا ہے اور بعض کو غلط، تب طالب علم تسلیم کرتا

ہے کہ اس سے غلطی ہوئی۔ اسی طرح سالک بھی اپنے زعم میں تحدیثِ نعمت سمجھ کر کسی بات کا اظہار کرتا ہے، مگر شیخ کامل پہچانتا ہے کہ یہ عُجب کی وجہ سے ہے۔ سالک اپنے خیال میں سخاوت کی وجہ سے مال خرچ کرتا ہے، مگر شیخ بتاتا ہے کہ یہ اسراف ہے۔ پیر ومرشد کے بغیر گمراہی کے گڑھے میں گرنے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مرشد کے سائے میں زندگی گزار کر سلوک کا راستہ طے کرے، تاکہ سالک (مرید) اپنی غلطی سے آگاہ رہے اور باطنی امراض سے بچتا رہے۔

اب اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ شیخ (مرشد) کیسا ہونا چاہیے، تو اس کے لیے ہمارے بزرگوں نے کئی شرائط بیان کی ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تسہیل قصد السبیل'' میں شیخ کامل کے لیے چھ شرائط اور چھ نشانیاں لکھی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ کچھ بزرگوں نے مزید کچھ نشانیاں بتائی ہیں، جن کا لبِ لباب یہ ہے کہ شیخِ کامل وہ ہوتا ہے جو متبعِ شریعت ہو اور جس کی صحبت میں بیٹھنے سے آپ کے دل میں اللہ کی محبت، حضور پاک ﷺ کی محبت، دین کی محبت، قرآن عظیم الشان کی محبت، اعمالِ صالحہ کی طرف رجوع اور اللہ کی طرف رجوع کا شوق پیدا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ جس کے پاس گئے ہیں، وہ اللہ والا ہے، شیخِ کامل ہے، اس کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کرواسکتے ہیں اور سلوک کا راستہ طے کرسکتے ہیں۔

خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ تصوف کا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہے، اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے، جو کہ ہر انسان سے مطلوب ہے، بلکہ انسان کی تخلیق ہی اسی واسطہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے تصوف وسلوک بھی ایک مستند راستہ ہے، جس پر چل کر انسان اپنے منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی رضا، اپنی لقاء اور اپنی یاد والی زندگی نصیب فرمائے۔

حواشی

۱:۔رسالہ قشیریہ، ص:۴۱۷
۲:۔رسالہ قشیریہ، ص:۴۱۸
۳:۔تصوف وسلوک، ص:۱۳
۴:۔حقیقتِ تصوف وسلوک، ص:۹۶
۵:۔تصوف وسلوک، ص:۱۲
۶:۔تصوف وسلوک، ص:۱۲
۷:۔حقیقتِ تصوف وسلوک، ص:۹۷
۸:۔حقیقتِ تصوف وسلوک، ص:۹۷
۹:۔سورۃ الانعام، آیت:۱۲۰
۱۰:۔تفسیر خازن، ج:۲، ص:۱۴۶
۱۱:۔سورۃ الممتحنۃ، آیت:۱۲
۱۲:۔بخاری شریف
۱۳:۔سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۱۵
۱۴:۔سورۃ المائدہ، آیت:۳۵
۱۵:۔تفسیر ابن کثیر، ص:۵۴
۱۶:۔سورۃ التوبہ، آیت:۱۱۹
۱۷:۔معارف القرآن